لیفٹیننٹ کرنل عبدالعزیز مرحوم

ڈاکٹر پیر محمد حسن، ایم اے، پی ایچ ڈی

نل اور ذکاوت کسی کی میراث نہیں۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ نہایت ذکی اور ذہین
ند ذہن اور عقل سے عاری نکلی۔ اسی طرح اس کے برعکس بھی دیکھنے میں آتا
ہ ایک ایسے ہی شخص کا ذکر کریں گے جو ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا مگر
نت، محنت اور کوشش سے بلند مرتبہ حاصل کیا۔ اور سالہا سال کی مسلسل جدوجہد
اتی مگر قابلِ تحسین کتب خانہ بنانے میں کامیاب ہوا۔

لرنل عبدالعزیز مرحوم ہری پور ضلع ہزارہ میں ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد
، خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی صغر سنی ہی میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا
ے سوا ان کی تعلیم و تربیت کی نگرانی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ کرنل مرحوم کو
لم کے ساتھ لگاؤ تھا۔ وہ بڑے شوق اور محنت سے پڑھائی میں لگے رہتے۔ اپنی
ن کی نمایاں حیثیت ہوتی اور اچھے نمبروں سے کامیاب ہوتے۔ ابھی چھٹی جماعت
، انھوں نے اپنے ہم جماعتوں میں امتیازی شان پیدا کر لی۔ اس پر شہر کے ایک
ص نے انہیں اپنے بچوں کا اتالیق مقرر کر دیا، اور اس کے معاوضہ میں وہ ان کی
ے کتابوں اور خوراک کا کفیل ہوا۔

۱۹۱ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول ہری پور سے دسویں جماعت میں کامیابی حاصل کر لی
حاصل کرنے کا مشکل مسئلہ درپیش ہوا۔ کرنل مرحوم کا عزم پختہ تھا۔ والدہ بھی ان کی
، تکالیف برداشت کرنے کے لئے تیار تھیں۔ انہوں نے لڑکیوں کے اسکول میں ملازمت
کرنل مرحوم نے اسلامیہ کالج پشاور میں ایف۔ ایس۔ سی (میڈیکل) میں داخلہ لے لیا۔

مرحوم یہاں بھی اپنی انفرادی حیثیت کو ثابت کرنے میں کامیاب ہوئے۔ سائنس کا طالب علم ہونے کے باوصف وہ کالج کی ہر ادبی مجلس میں شریک ہوتے۔ مباحثوں میں حصہ لیتے اور ایسے موضوعات پر مقالے لکھتے جو ایک سائنس کے طالب علم سے بعید خیال کئے جاتے ہیں۔ اُنہوں نے فردوسی، سعدی اور حافظ وغیرہ پر مقالے لکھے اور انعامات حاصل کئے۔

لیفٹیننٹ کرنل عبدالعزیز نے ۱۹۳۲ء میں ایف ایس سی کا امتحان پاس کیا۔ انہیں امید تھی کہ ان کا داخلہ میڈیکل کالج لاہور میں ہو جائے گا۔ اُن دنوں صرف لاہور میں ایک میڈیکل کالج تھا۔ ایک یتیم بچہ جس کا کوئی یار و مددگار نہ ہو بھلا کس طرح اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا۔ ادھر سے مایوسی کے باوجود انہوں نے ہمت نہ ہاری اور بی ایس سی میں داخلہ لے لیا۔ دو سال بعد ۱۹۳۵ء میں اسلامیہ کالج پشاور سے بی۔ ایس سی کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔ بی۔ ایس سی کر لینے کے باوجود انہیں میڈیکل کالج میں داخلہ مل جانے کی کوئی امید نہ تھی، پھر بھی انہوں نے کوشش جاری رکھی۔ گرمی کے دن تھے۔ صوبہ سرحد کا گورنر نتھیا گلی میں قیام پذیر تھا۔ کرنل عبدالعزیز مرحوم کے پاس نتھیا گلی پہنچنے کے لئے کرایہ تک نہ تھا۔ ہری پور سے پیدل روانہ ہو گئے۔ مرحوم نے مجھے بتایا کہ وہ نتھیا گلی رات کے تقریباً دو بجے پہنچے۔ سوال یہ تھا کہ گورنر تک رسائی اور پھر باریابی کیسے ہو، جرأت کر کے یہ گورنر کی کوٹھی کے بڑے دروازے پر پہنچے۔ رات کو بے وقت کوٹھی کے قریب ایک اجنبی کو دیکھ کر پہریدار نے آواز دی، تم کون ہو؟ انہوں نے پاس جا کر اُسے اپنی کہانی سنائی، پہریدار پر ان کی باتوں کا بہت اثر ہُوا، اور اس نے مدد کا وعدہ کیا۔ قصہ کوتاہ گورنر کی سفارش پر انہیں میڈیکل کالج میں داخل مل گیا۔

لیفٹیننٹ کرنل عبدالعزیز مرحوم نے ۱۹۴۳ء میں میڈیکل کالج سے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کا امتحان پاس کیا۔ ان کا پہلا تقرر سول ہسپتال کوئٹہ میں بطور انچارج کے ہُوا، اور انہوں نے وہاں نہایت دیانت داری اور محنت سے کام کیا۔ چونکہ خود غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اس لئے ہمیشہ غریبوں کا خاص طور پر خیال رکھتے۔ ان دنوں دوسری جنگِ عظیم جاری تھی، انہیں فوجی خدمات کے لئے طلب کر لیا گیا۔ اس ملازمت کے دَوران انہیں آسام، برما اور بنگال کے محاذوں پر جانے کا اتفاق ہُوا۔

ے ملاقات

ی ابتدا میں راقم سے ان کی ملاقات ہوئی ۔ میں اپنے ایک دوست کیپٹن ڈاکٹر احمد علی صاحب
رہا تھا کہ سامنے سے کرنل مرحوم آ گئے ۔ ڈاکٹر احمد علی صاحب نے تعارف کرایا ، اور
ے ذاتی کتب خانہ میں تقریباً چالیس ہزار کتابیں ہیں ۔ میں نے یہ بات خاموشی سے سُن
ہی دل میں اسے غلط سمجھتا رہا ۔ مرحوم نے مجھے کتب خانہ دیکھنے کے لئے گھر پر آنے
ی ۔ ایک اتوار کو میں ان کے مکان پر گیا جہاں انہوں نے صندوقوں میں بھری ہوئی کچھ کتابیں
ں نے کہا : بس یہی وہ کتب خانہ ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ چالیس ھــزار
. اس پر وہ مجھے اس مقام پر لے گئے جہاں ان کا اصل ذخیرہ رکھا تھا ۔ میں وہاں
ے انبار دیکھ کر دنگ رہ گیا اور بے ساختہ زبان سے نکلا کہ واقعی جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا ۔
نٹ کرنل عبد العزیز مرحوم ۱۹۵۸ء کے فوجی انقلاب تک سٹیشن ہیلتھ آرگنائزیشن
رہے ۔ اسی سال انہیں میجر سے ترقی دے کر لیفٹیننٹ کرنل بنا دیا گیا ۔ پھر مرکزی حکومت
خدمات حاصل کرلیں اور انہیں چیف ہیلتھ آفیسر اور سنٹرل ہیلتھ آرگنائزیشن کا سربراہ
رحوم اسی عہدہ پر تھے کہ ۲۹ ستمبر ۱۹۶۸ء کو شام کے وقت انہیں دل کی تکلیف ہوئی جو
ں کے اندر جان لیوا ثابت ہوئی اور انھوں نے ۳۰ ستمبر ۱۹۶۸ء کو صبح کے وقت داعیِ
یک کہا ۔ انہیں ان کے آبائی وطن ہری پور لے جاکر ان کی والدہ کے پہلو میں دفن کیا گیا ۔

اق و عادات

ینٹ کرنل عبد العزیز مرحوم نہایت سادہ طبیعت کے مالک تھے ۔ ان میں ذاتی نمائش کی
تھی ۔ ظاہری کر و فر اور غرور سے کوسوں دُور رہتے تھے ۔ غریب سے غریب انسان سے بھی
اخلاق سے پیش آتے جس طرح ایک دولت مند سے ۔ کم درجہ کے لوگوں سے تواضع سے
ے اور بڑوں کی تعظیم کرتے ۔ حاجت مندوں کی حاجت روائی کرنے سے کبھی دریغ نہ کرتے ۔
تی کہ غریبوں اور حاجت مندوں کا ان کے مکان پر جمگھٹا رہتا تھا ۔
یث میں آتا ہے کہ تم اپنے صدقات کو اس قدر مخفی رکھو کہ اگر دایاں ہاتھ دے تو بائیں کو
۔ یہ بات کرنل مرحوم میں پائی جاتی تھی ۔ متعدد لوگوں کے ماہوار وظیفے مقرر تھے ۔ مجھے یہ معلوم

نہیں کہ وہ انہیں کتنی رقم دیتے تھے۔ مگر میں دیکھتا تھا کہ لوگ ان کے پاس آتے تھے اور مرحوم انہیں ایک طرف لے جاکر کچھ نہ کچھ دے دیا کرتے تھے۔

طب یونانی سے شغف

جس زمانہ میں مرحوم میڈیکل کالج لاہور میں زیرِ تعلیم تھے انہوں نے طبِ یونانی میں دلچسپی لینی شروع کر دی تھی جو آخر دم تک قائم رہی۔ پاک و ہند میں شاید ہی کوئی مشہور و معروف طبیب گزرا ہو گا جس کی ذاتی بیاض کی نقل ان کے پاس نہ ہو۔ ان میں سے بعض بیاضیں تو "اسرار" میں شمار ہوتی تھیں۔ طبِ یونانی کی نہایت نایاب اور نادر کتابیں جو ملک کے بڑے سے بڑے طبیب کے پاس نہ ہوں گی ان کے پاس موجود تھیں۔

اسی طرح آیورویدک اور ہومیوپیتھی سے بھی خاصی دلچسپی رکھتے تھے اور ایسی کتابوں کا بھی ان کے پاس بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ راقم کے پاس آیورویدک کی کچھ کتابیں تھیں۔ اتفاق سے ان کی نظر پڑ گئی۔ یہ کتابیں ان کے پاس تھیں مگر سیٹ مکمل نہ تھا۔ کہنے لگے کہ یہ کتابیں مجھے دے دو۔ میں نے وہ کتابیں بطیبِ خاطر انہیں دے دیں۔

طبِ یونانی کے ساتھ مرحوم کا شغف روز بروز ترقی کرتا گیا تا آنکہ ایک دن انہیں خیال آیا کہ مفردات پر ایک ایسی جامع کتاب لکھی جائے جس میں قدیم طبِ یونانی اور جدید تحقیقات دونوں کو جمع کر دیا جائے۔ انہوں نے سنجیدگی سے اس پر کام شروع کر دیا۔ تقریباً ایک ہزار صفحات لکھے جا چکے تھے اور کام ابھی جاری تھا کہ انہیں موت نے آلیا۔

کتابیں جمع کرنے کا شوق

مرحوم میں کتابیں جمع کرنے کا شوق فطری طور پر موجود تھا۔ ابھی ابتدائی درجوں میں تعلیم پا رہے تھے کہ انہوں نے تصاویر اور فلمی ناولوں کو جمع کرنا شروع کیا۔ انہوں نے اپنے عہدِ طفولیت کے ذخیرے کو بھی آخر دم تک محفوظ رکھا۔ وہ جن لوگوں سے قدرے کھل جاتے انہیں یہ ذخیرہ بھی دکھا دیا کرتے۔ اس کے بعد فارسی کی کتابیں جمع کرنا شروع کیں۔ اس میں قدرے دقت پیش آئی کیونکہ خود تو سائنس کے طالب علم تھے۔ فارسی زبان سے واقفیت نہ تھی کہ کتابوں کو صحیح شناخت کر سکتے۔ لہذا ایک استاد سے فارسی زبان پڑھنی شروع کر دی اور ابھی ایف ایس سی کے طالب علم تھے کہ

تند اور مسلمہ شعراء کے سینکڑوں اشعار زبانی یاد کر لئے اور کالج کے مباحثوں اور مذاکروں
پیش کرنے لگے۔ اس اعتبار سے وہ اپنے ساتھیوں میں تعجب کی نگاہ سے دیکھے

ٔالج لاہور میں طالب علمی کے زمانہ میں وہ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم کی خدمت میں حاضری
ں تعلق کی بنا پر ان کے اشعار کے پڑھنے کا شوق ہُوا تو ہزاروں اشعار یاد کر ڈالے۔
یں فارسی زبان میں کافی دسترس حاصل ہو چکی تھی، پھر بھی اس زبان کو مزید حاصل کرنے
نا۔ چنانچہ ایم۔بی۔بی۔ایس کر لینے کے بعد منشی فاضل کا امتحان دینے کا ارادہ کیا۔ کتابیں
العہ بھی کیا مگر اپنی منصبی مصروفیات کی بنا پر امتحان میں شریک نہ ہو سکے۔ اس سے اتنا
اِکہ فارسی زبان کے متعلق ان کی معلومات اور پختہ ہو گئیں۔
تہ لیفٹیننٹ کرنل عبدالعزیز کو ہر موضوع اور ہر زبان کی کتابیں جمع کرنے کا شوق ہو گیا۔
کتابوں کے نام بھی عربی میں ہوتے ہیں اس لئے انہوں نے دیکھا کہ عربی زبان پڑھے
ِ تلاش میں دقت پیش آئے گی لہٰذا باقاعدہ عربی کی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی۔ راقم
ہیں ہو سکا کہ انہوں نے کب اور کس سے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ البتہ جب ان سے میری
ں ہوئی اور میں پہلی بار ان کا کتب خانہ دیکھنے گیا، ان دنوں وہ مولوی فضل الٰہی سے
ِتے تھے۔ مولوی فضل الٰہی بڑے فاضل اور عربی زبان کے ماہرین میں سے تھے۔ انہوں
ریباً بیس سال مصر اور دیگر عربی ممالک میں گزارے تھے اور انہیں عربی زبان کی
کل کتاب پڑھانے میں مہارت اور کامل دسترس تھی۔ کرنل مرحوم کے مکان پر
یری ملاقات ہوئی اور راقم نے ان کی قابلیت کا اعتراف کیا۔ اس وقت ان کی
اسّی سال تھی۔ اگرچہ صحت کمزور ہو چکی تھی مگر حافظہ بدستور قائم تھا۔
کرنل مرحوم اور میرے درمیان مراسم بڑھے تو انہوں نے مولوی فضل الٰہی سے توجہ ہٹا
سے عربی کی چند کتابیں پڑھنے کی خواہش ظاہر کی۔ چونکہ مولوی فضل الٰہی آسودہ حال
، لئے میں نے کرنل صاحب سے کہا کہ اس شرط پر پڑھاؤں گا کہ آپ مولوی فضل الٰہی
مداد بدستور کرتے رہیں گے۔ کرنل مرحوم نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ بدستور مولوی صاحب

کی مدد کرتے رہیں گے۔ چنانچہ وہ اس وعدہ کو مولوی فضل الٰہی کی وفات تک پورا کرتے رہے۔ خود ان کے مکان پر جاکر یہ رقم ان کو دے آتے تھے۔

کرنل مرحوم نے مجھ سے سبعہ معلقات، حماسہ کا بیشتر حصہ اور دیوانِ متنبی کا ابتدائی حصہ پڑھا تھا، وہ میری بیان کردہ تشریحات کو قلم بند کر لیا کرتے تھے۔ ہوتے ہوتے عربی زبان میں انہوں نے خاصی استعداد پیدا کر لی اور عربی کتابوں کا بآسانی مطالعہ کر سکتے تھے۔ ایک بار وہ سیرت مغلطائی کا مطالعہ کر رہے تھے کہ انہیں بعض عبارتوں کے سمجھنے میں دقت محسوس ہوئی۔ کتاب لے کر میرے پاس آئے، اور میں نے انہیں وہ عبارتیں سمجھا دیں۔ صرف ایک عبارت رہ گئی۔ میں نے کہا ایک لفظ غلط چھپا ہوا ہے، جس کی وجہ سے مفہوم سمجھ میں نہیں آرہا۔ اور اس وقت میں اس لفظ کو درست بھی نہ کر سکا، اتنے میں مغرب کی نماز کے لئے اذان ہوئی اور میں نماز کے لئے چلا گیا۔ نماز ہی میں سمجھ میں آیا کہ وہ لفظ تو وھم ہے۔ واپس آکر میں نے تصحیح کر کے عبارت کی تشریح کر دی۔ وہ خوش بھی ہوئے اور متعجب بھی۔ میرے اور ان کے درمیان اس قسم کے اکثر کئی واقعات پیش آتے رہتے تھے۔

مرحوم کی طرف سے اس خاکسار کو اجازت تھی کہ ان کی کتابوں میں جہاں کہیں طباعت کی اغلاط ہوں درست کر دیا کروں۔ چنانچہ ان کی کتابوں پر میری تصحیحات موجود ہیں۔

عربی اور فارسی زبان سیکھنے سے ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ انہیں کتابیں جمع کرنے میں آسانی ہو۔ کتابیں جمع کرنے کا شوق ان میں جنون کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ مختلف شہروں میں متعدد لوگوں سے مخفی رابطہ قائم کر رکھا تھا کہ وہ انہیں کسی نئی کتاب کا پتا دیں گے یا خود لے کر ان کے پاس آجائیں گے۔ مرحوم ان لوگوں کو کتاب کی قیمت کے علاوہ سفر خرچ بھی ادا کیا کرتے تھے۔

جنرل واجد علی برکی، کرنل مرحوم کے افسر تھے۔ مرحوم کی خدمات کی بنا پر جنرل صاحب اِن کا خاص خیال رکھتے۔ ایک بار جنرل صاحب سرکاری کام سے بیرونی ممالک جا رہے تھے۔ انہوں نے کرنل مرحوم سے پوچھا کہ تمہارے لئے کیا تحفہ لاؤں۔ مرحوم نے چند کتابوں کے نام لکھ دیئے۔ یہ کتابیں پاکستان میں دستیاب نہیں تھیں۔ جنرل صاحب وہ کتابیں لے آئے۔ مرحوم کو اگر کوئی

یں کتاب دیتا تو بہت خوش ہوتے۔ سمجھتے کہ انہیں دنیا وما فیہا کی دولت مل گئی۔
کے حصول میں اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے شامل حال تھی۔ جب کسی کتاب کو حاصل کرنے کا
، وہ کتاب کیسی ہی نایاب کیوں نہ ہوتی انہیں کسی نہ کسی طرح مل جاتی۔ لوگوں کو دولت
ا خیال ہوتا ہے اور وہ اس کے لئے ترکیبیں سوچتے رہتے ہیں مگر مرحوم ہر وقت یہی سوچتے
ں کتاب کس طرح حاصل کی جائے جو اُن کے پاس موجود نہیں ہے۔

اوقات کباڑیوں کے پاس بڑی نایاب کتابیں آ جاتی ہیں۔ کرنل مرحوم روزانہ شہر اور چھاؤنی
ں کے ہاں ایک چکر ضرور لگاتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ کباڑی کے پاس کتابوں کا
ہُوا ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ گرد آلود انبار میں بیٹھ جاتے۔ انہیں اس وقت نہ کپڑوں کا
نہ اپنے رتبے کا، گرمی کا موسم ہوتا، پسینہ میں شرابور ہو جاتے، مگر کتابوں کی تلاش
ی۔

ں کو جمع کرنے کے سلسلے میں زیادہ لگاؤ تاریخ اور تاریخ رجال کے ساتھ تھا۔ کتاب کا
ے کو تیار نہ ہوتا اور کتاب کسی دوسری جگہ سے دستیاب نہ ہوتی تو وہ اسے نقل کروا لیتے۔
کرتے کہ کتابوں کے معاملہ میں مَیں بڑا خوش قسمت ہوں۔ میں نے جس کتاب کو حاصل
ارادہ کیا، نایاب ہی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ اس کے حاصل کرنے کا انتظام کر دیتے ہیں۔
ز ہمراج نے ضلع ہزارہ کی تاریخ لکھی مگر آج تک طبع نہیں ہوئی۔ مرحوم کو اپنے وطن
لگاؤ تھا اور کتاب کا مالک اسے بیچنے کو تیار نہ تھا، انہوں نے مالک سے اجازت لے کر
ا لیا۔

ے بار مطبع نولکشور چلے گئے۔ اس مطبع نے عربی اور فارسی کی بڑی خدمت کی ہے۔ مرحوم
والوں کو کہا، جتنی کتابیں ان کے ہاں طبع ہوئی ہیں ان کا ایک ایک نسخہ انہیں دیں۔ کتابوں
ے لگ گئے اور ان کی قیمت کی رقم بھی خاصی بن گئی۔ مرحوم کے پاس اس وقت پورے پیسے
جس قدر رقم پاس تھی ادا کر دی اور کہا باقی کتابوں کو بذریعہ وی پی ارسال کر دیں۔ مگر
الے ان کے جنون کو دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ اسی رقم میں سب کتابیں دے دیں۔
ل عبدالعزیز مرحوم اپنے کتب خانہ کو اپنے سے کبھی جدا نہیں کرتے تھے۔ جہاں جاتے

اسے اپنے ساتھ رکھتے - جنگ عظیم ثانی کے دوران یہ کتابیں ان کے ساتھ تھیں. جنگ کے دوران انہیں دریائے برہم پترا میں سفر کرنا پڑا - ان کے ساتھ کچھ امریکی افسر بھی تھے - دریا طغیانی پر تھا. کشتیوں میں پانی داخل ہو گیا. کشتیوں کے تمام مکینوں کی جانیں تو بچا لی گئیں مگر مرحوم کی کتابوں کے دو صندوق دریا کی نذر ہو گئے - امریکی افسروں نے انہیں نکالنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔

مرحوم ہر ماہ اپنی تنخواہ سے چھ سو روپے کتابوں کے لئے الگ کر دیتے تھے - بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ کتابوں کی رقم خرچ ہو چکی اور انہیں کسی نئی کتاب کا پتا چلا اس وقت ان کی بے قراری دیکھنے کے قابل ہوتی - وہ فوراً اُردو بازار راولپنڈی کے مشہور تاجر کیپٹن محمد اکبر کے پاس جاتے، اور جس قدر رقم درکار ہوتی اُدھار لے کر کتاب خرید لیتے - جب تنخواہ ملتی تو سب سے پہلے کیپٹن اکبر کا قرض ادا کرتے - اس بارے میں انہوں نے کبھی کوتاہی نہیں کی - کیپٹن محمد اکبر بھی ان کے اس وصف سے بخوبی واقف تھے، اس لئے قرض دینے میں کبھی پس و پیش نہیں کرتے تھے۔

لیفٹیننٹ کرنل عبدالعزیز مرحوم کے متعلق یہ کہنا کہ انھیں صرف کتابوں کو جمع کرنے کا شوق تھا ناانصافی ہے - انہیں ہر کتاب کے متعلق یہ معلوم ہوتا تھا کہ کس موضوع پر ہے اس میں سے کیا کیا معلومات اخذ کی جا سکتی ہیں - نیز یہ کہ پہلی بار کب چھپی، اب تک کتنی اشاعتیں نکل چکی ہیں، کتاب نایاب ہو چکی ہے یا اس کا نیا ایڈیشن شائع ہو رہا ہے - انہیں یہ بھی معلوم ہوتا کہ فلاں کتاب کی پہلے قیمت کیا تھی اور اب کیا ہے - یہی وجہ ہے کہ قیمت کے معاملے میں کوئی انہیں دھوکا نہیں دے سکتا تھا۔

بڑھتے بڑھتے ان کے کتب خانہ کی کتابوں کی کل تعداد ان کے اپنے الفاظ میں ستر ہزار (۷۰۰۰۰) ہو گئی تھی - اور ان کا کتب خانہ ہی ان کی شہرت کا باعث بنا - جب صاحبِ ذوق حضرات یہ سن پاتے کہ ان کے پاس کتابوں کا اس قدر عظیم ذخیرہ موجود ہے تو انہیں اس کے دیکھنے کا شوق ہوتا - ان کے کتب خانہ کو دیکھنے والوں میں مرکز اور صوبے کے وزراء کے علاوہ ملک بھر کے چوٹی کے علماء شامل ہیں - ان کے پاس ہر قسم کے اور ہر فرقے کے لوگ آتے۔

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ کتب خانہ بند صندوقوں میں پڑا تھا - کھولنے اور دکھانے کے لئے بہت سے ملازمین کی ضرورت ہوتی تھی - انہوں نے چند آدمیوں کو محض اس لئے

یکھا تھا کہ وہ آنے والوں پر نگاہ رکھیں۔ ایک بار کچھ لوگ کتب خانہ دیکھنے آئے۔
،ان کی خاطر مدارت کی اور کتب خانہ بھی دکھایا۔ ایک نہایت نادر مخطوطہ ان
کے کسی بزرگ کا لکھا ہُوا تھا۔ انہوں نے اس مخطوطہ کو اُڑا لینے کی بہت کوشش
امیاب نہ ہو سکے۔ ان کے چلے جانے کے بعد مجھ سے کہا کہ ان لوگوں نے
ت کی، اور یہ بھی بتایا کہ نگرانی کے لئے آدمی مقرر تھے۔ اس روز مجھے معلوم
نہیں اپنی کتابوں کی حفاظت کا کس قدر خیال ہے۔ اس کے باوجود مجھے معلوم
بعض لوگ ان سے عاریۃً کتاب لے گئے اور واپس نہیں کی۔

ذم کی وفات کے بعد ان کا عظیم کتب خانہ بطور یادگار موجود ہے۔ اس کا کیا
، الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ مرحوم کو اپنی والدہ سے بڑی محبت تھی۔ والدہ
، یاد میں وہ ہری پور میں ایک لائبریری قائم کرنی چاہتے تھے۔ میری تجویز
لائبریری ہری پور کی بجائے راولپنڈی میں قائم کریں۔ مگر مرحوم نے اس سے
نہیں کیا۔

ہر حال اس نادر کتب خانے کی حفاظت جس طرح بھی ہو بہت ضروری ہے۔ اندیشہ
نایاب کتابوں کا یہ ذخیرہ یوں پڑا پڑا ضائع نہ ہو جائے۔ مرحوم کے اہلِ خاندان،
ن اور اربابِ علم کو اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔